R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 5/-
per Copy-15 P.

جلد ۲۷۔ شمارہ ۱۸	ایڈیٹر: آل احمد سرور	۸ مئی ۱۹۶۸ء

اداریہ

مارکس اور ہندوستان

مارکس کے ایک سو پچاس ویں جنم دن کے موقع پر ساری دنیا نے اسے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مارکس نے تاریخی مادیت کا نظریہ پیش کیا جس کے لیے جدلیاتی طریقۂ کار کا تصور اس نے ہیگل سے لیا۔ برٹرینڈ رسل نے مغربی فلسفہ کی تاریخ میں کہا تھا کہ مارکسزم تاریخ کی سائنس اور سائنس کی تاریخ ہے۔ اس نے اکیس سال کی عمر میں فلسفیوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ "فلسفیوں نے صرف دنیا کی مختلف طریقوں سے ترجمانی و تشریح کی ہے، بنیادی سوال اس کے بدلنے کا ہے" چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس نے سماجی تبدیلی کے قوانین بنائے اور ان قوانین پر عمل کر کے لینن نے روس کے انقلاب کو کامیاب بنایا۔ مارکس کی بعض پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ اوّل تو پرولتاری انقلاب کسی صنعتی ملک مثلاً جرمنی میں ظہور پذیر ہونے کے بجائے روس جیسے زراعتی ملک میں واقع ہوا، دوسرے روس میں انقلاب کے ساتھ ساری دنیا میں انقلاب نہیں ہوا بلکہ عرصۂ دراز تک ایک ملک میں انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے اور سرمایہ دار دنیا کی مخالفت کا سامنا کرنے کے لیے روس کو سینہ سپر ہونا پڑا گو دوسری جنگ عظیم کے بعد کئی ملکوں میں اشتراکی نظام پھیلا اور دوسرے ملک اس سے متاثر ہوئے۔ پھر مارکس کے نزدیک سرمایہ داری بالآخر اجارہ داری بن جاتی ہے اور اپنے اندرونی تضادات کی وجہ سے پرولتاری انقلاب کے لیے فضا سازگار کرتی ہے، مگر سرمایہ داری نے بیسویں صدی میں فلاحی ریاست (WELFARE STATE) کی صورت بھی نکالی اور بعض مغربی ملکوں خصوصاً انگلستان میں اس کا کامیاب تجربہ ہو رہا ہے۔ پھر بھی اس میں شک نہیں کہ مارکس کے فلسفے کے اثرات ساری دنیا کے فکر و عمل پر پڑے ہیں۔ اس نے سائنسی مزاج کی طرف رہنمائی کی ہے۔ اس نے اقتصادی رشتوں کی اہمیت پر زور دے کر بہت سے حقائق روشن کیے ہیں۔ طبقاتی کشمکش کے متعلق اس کے خیالات آج بھی قابل قدر ہیں۔ بہت سے لوگوں کے نزدیک جو سوشلسٹ خیالات رکھتے ہیں، لینن کے طریقے قابل تعریف نہیں، مگر سوشلزم کیسا بھی ہو، مارکس کے بنیادی تصورات کو اپنائے بغیر نامکمل اور ناقص رہتا ہے۔ مارکس صرف ان لوگوں کی جاگیر نہیں جو کمیونسٹ ہیں یا مارکسزم لینن ازم میں یقین رکھتے ہیں۔ مارکسزم کوئی جامد چیز نہیں۔ تاریخی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اس کی نئی تعبیر و تشریح کی برابر ضرورت پڑے گی۔ مارکس کو اگر ایک درسی کتاب کی طرح نہیں ایک سماجی رہنما کی طرح پڑھا جائے تو بہتر ہوگا۔ بقول جیلانی باؤ "مارکس پہلا شخص تھا جس نے اپنے زمانے کے مخصوص انقلابی پہلوؤں کو دیکھا اور اسے آخری نہیں ماننا چاہیے"۔ جب جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ مارکسزم حرف آخر نہیں ہے تو ان کا بھی یہی مطلب تھا۔ شری گجیندر گڈکر سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ نے دہلی کے ایک جلسے میں مارکس کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اور اس کے انقلابی فلسفہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے، یہ بھی کہا تھا کہ مارکسزم کو ایک طرح کا مذہب یا قطعی حکم (DOGMA) سمجھنا صحیح نہ ہوگا۔ نہ مارکس کی یاد میں جلسے کرنا کافی ہوگا۔ یہ ایک فلسفہ ہے جس کے پیچھے سائنسی نظریہ ہے اور جس کا مقصد افلاس کو دور کرنا اور طبقوں کی اونچ نیچ کو ختم کرنا ہے۔ ہمارے ملک میں چھوت چھات ممنوع ہے مگر ایک اچھوت لڑکے کو حال میں زندہ جلا دیا گیا۔ ہمارے یہاں آزادی کے بیس سال بعد بھی بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں اور یہ خطرہ ہے کہ سیکولرزم کے سارے اصول صرف لوگوں کی زبان پر رہیں گے، عملی دنیا میں ان کا نفاذ نہ ہو سکے گا۔ ہندوستان کی سب سے بڑی پارٹی کانگریس نے سوشلزم کو ایک نصب العین مان لیا

تھا۔ مگر ابھی تک اس نصب العین کی طرف گامزن ہونے کی رفتار نہایت ہی سست ہے اور غالب کا یہ شعر ہم پر صادق آتا ہے ؎

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

اس لئے ضرورت ہے کہ ملک میں سائنسی مزاج پیدا ہو، اونچ نیچ کو کم کیا جائے۔ ملک کی صنعتی پیداوار بڑھائی جائے۔ قومی آمدنی میں اضافہ ہو۔ مذہب، ذات پات، زبان، علاقے کی بنیاد پر جو تحریکیں اٹھتی ہیں اور ملک کی طاقت کو کم کرتی ہیں ان کو روکا جائے، فرقہ واریت کا قلع قمع کیا جائے۔ سیکولرزم کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کیا جائے مارکس کی تعلیمات کو حکیم کے ایک نسخے کی طرح استعمال نہ کیا جائے، بلکہ ایک سماجی فلسفے کی حیثیت سے اس کا مطالعہ ہو اور ایمانداری کے ساتھ اس بات کی کوشش کی جائے کہ سوشلزم کی منزل تک ہندوستان جلد سے جلد پہنچ سکے۔ مارکس کے سنجیدہ مطالعے سے اس کام میں بڑی مدد ملے گی۔

آگرہ میں غالب کی یادگار

لکھنؤ:۔ غالب کی صد سالہ تقریبات سے متعلق یو پی کی کمیٹی نے اس بات کی سخت مخالفت کی ہے کہ غالب کا وہ گھر جہاں وہ آگرہ میں پیدا ہوئے تھے گرایا جائے اس سلسلے میں بطور احتجاج ایک وفد صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین سے ملاقات کرے گا اور استدعا کرے گا کہ اس گھر کو غالب کی یادگار کے طور پر محفوظ کر لیا جائے۔ کمیٹی نے لکھنؤ میں غالب پر ایک سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس میں ایران پاکستان اور دیگر ممالک کے اہل علم حضرات کو مدعو کیا جائے گا نیز روس میں غالب کی جو صد سالہ برسی منائی جا رہی ہے اس میں شرکت کے لئے ہند سے وفود بھیجے جائیں گے۔ (الجمعیۃ)

میونخ میں اقبال کی یادگار

بون ۲۰ اپریل مشہور شاعر اور فلاسفر ڈاکٹر سر محمد اقبال کی یاد میں جن کا انتقال تقریباً ۳۰ برس پہلے ہوا تھا یہاں پر ایک یادگار تعمیر کی گئی ہے جس کی نقاب کشائی کی رسم ۲۲ اپریل کو ادا کی گئی یہ یادگار دو میٹر بلند ہے اور اس پر لکھا ہے "پاکستان کے فلاسفر اور قومی شاعر سر محمد اقبال، پیدائش ۱۸۷۳ء انتقال ۱۹۳۸ء جنھوں نے میونخ یونیورسٹی سے ۱۹۰۷ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی" (الجمعیۃ)

صدر انجمن ترقی اردو کی سالگرہ پر صحیفۂ سپاس

انجمن ترقی اردو ہند کے صدر اور ممبر پارلیمنٹ جناب پنڈت ہردے ناتھ کنزرو کو ان کی ۸۰ ویں سالگرہ پر ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر ایک انگریزی کتاب INDIA, STUDIES IN SOCIAL AND POLITICAL DEVELOP MENTS مولفہ اپادورائی پیش کی گئی اس کتاب کی قیمت ۳۲ روپیہ ہے۔ اسے ایشیا پبلشنگ ہاؤس نے شائع کیا ہے۔

فیض الحسن خیالی

نئے چراغ

تمھارے شہر میں گر انقلاب آئے گا
دوانے دار پہ پہلے چڑھائے جائیں گے
یہ اور بات ہے جشن چراغاں ہوگا مگر
ہر ایک موڑ پہ بازار جگمگائیں گے
مگر خلوص کی بوباس ہی نہیں ہوگی
شکستہ جام کی مانند اہلِ مے خانہ
خموشیوں کی رداؤں میں منہ چھپائیں گے
مگر جنوں کی نوازش کی آس باندھے ہوئے
جسارتِ غمِ دوراں کی داد دیتے ہوئے
سمندروں میں جنوں کے وہ ڈوب جائیں گے
نکال لائیں گے انمول پیار کے موتی
فسادِ ذہن کے ماروں کو زہر غم دے کر
نئے چراغ محبت کے پھر جلائیں گے

کارل مارکس کا جنم دن

کمیونزم کے بانی کارل مارکس کے جنم دن کی ۱۵۰ ویں سالگرہ ۵ مئی ۱۹۶۸ء کو منائی جا رہی ہے۔ کارل مارکس ۵ مئی ۱۸۱۸ء کو پروشیا کے مقام ٹریر میں ایک وکیل کے ہاں پیدا ہوئے انھوں نے اپنی نوجوانی ہی میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ اپنی زندگی عوام کی خدمت میں گذاریں گے۔ چنانچہ برلن یونیورسٹی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے کے بعد صحافت کا پیشہ اختیار کیا ۱۸۴۴ء میں ان کی ملاقات فریڈرک اینگلز سے ہوئی اور یہیں سے دونوں کی عملی اور نظریاتی مشترکہ سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ مارکس کی اہم تصنیف کیپیٹل ۱۸۶۷ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب نے آنے والے زمانے میں اپنے اثرات چھوڑے۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۲ء تک ہندوستان میں جو واقعات رونما ہوئے انھیں مارکس نے تاریخ وار مرتب کیا۔ مارکس کا انتقال ۱۴ مارچ ۱۸۸۳ء کو لندن میں ہوا۔ مارکس کے نظریات کے اثرات کو دیکھتے ہوئے اقبال نے کہا تھا ؎

آں کلیم بے تجلی، آں مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

کاوش مرزا

مولوی عبدالباسط مرحوم

یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ حیدرآباد دکن کے ایک سوشل ورکر یعنی خادم القوم مخدوم، خاندان علماء کے چشم و چراغ مشہور و معروف، ملا عبدالقیوم مرحوم کے صاحبزادے ملا عبدالباسط صاحب کا بتاریخ ۱۵ رمضان ۱۳۹۷ھ م ۳۰ اگست ۱۹۷۷ء بعمر ۸۲ سال، اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (مکتوب اصغر محمد مرحوم ۱۸ جنوری ۱۹۷۸ موسومہ راقم) مرحوم بڑی خوبیوں کے انسان تھے، خدا مغفرت کرے۔

مختصر حالات وعلمی وقومی خدمات مرحوم کا اسم گرامی عبدالباسط نادرؔ تھا، والد ماجد کی لقب کی مناسبت سے "ملا" اور تخلص صاحب تھا ۵-۳-۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے جد امجد عبدالباسط عشق۔ اور ملا عبدالقیوم اپنے پدر بزرگوار کے ظل عاطفت تعلیم و تربیت پائی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں ہوئی اور مشہور مدرسہ دارالعلوم سے مولوی اور مولوی فاضل کی سند حاصل کی، ان کے اساتذہ دارالعلوم میں مولوی الٰہی بخش، مولوی حمیدالدین برادر مولانا شبلی، علامہ سید نادرالدین مرحومی، حبیب الرحمٰن سہارنپوری، جمال الدین ندوی اور علامہ حبیب ابوبکر شہاب، آقا سید علی شستری وغیرہ تھے۔ مرحوم انجمن ثمرۃ الادب دارالعلوم میں علمی، ادبی، دینی اور حالات حاضرہ کے مباحثوں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ مشہور ڈاکٹر اگھور ناتھ سے حقیقت قدوں سے انگریزی میں مہارت حاصل فرمائی، اور قانون امتحان جو ڈائیشیں سالہ وکالت درجہ اول کامیاب کیا اور تعلقات ناندیڑ، آشٹی (ضلع بیڑ) میں منصف (سب جج) رہے، اور بتدریج ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گلبرگہ شریف تک ترقی کی ۵۰۰ روپے تقریباً ۱۹۴۰ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے اپنے فرائض نہایت دیانتداری سے انجام دئے۔ اس کے بعد اسٹیٹ نواب فخر الملک میں اول تعلقداری اور ناظم عدالت ضلع کے فرائض ڈیڑھ سال تک انجام دینے کے بعد مستعفی ہو گئے۔

معاصرین مولوی محمد مظہر، مولوی اکبر علی مدیر اخبار صحیفہ، مولوی ابو محمد محمد عمر الیافعی، مولوی عبدالرب منصف، مولوی عبدالقدیر صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر عبداللطیف، ڈاکٹر حمید احمد انصاری دہلوی، برادر محمد اصغر بیرسٹر، صفی حیدرآبادی، امجد حیدرآبادی، مولوی مرتضیٰ مدراسی وغیرہ۔ میری ملاقات آپ سے گلبرگہ شریف میں ہوئی تھی اور میں آپ ہی کی عدالت میں منتظم عدالت تھا۔ اس کے بعد عمر یافعی کے پاس نیز مرحوم کے دولت کدہ پر ہوتی تھی بڑی شفقت فرماتے تھے۔

قومی خدمات ملا صاحب مرحوم نے جنگ طرابلس کے زمانہ میں انجمن ہلال احمر کے بڑے سرگرم رکن تھے چنانچہ آپ نے دو لاکھ روپیہ چندہ جمع کر کے بھجوایا، اور مزید چندہ ہزار روپیہ ڈاکٹر انصاری دہلوی کے ذریعہ روانہ کیا تھا۔

ایجوکیشنل کانفرنس حیدرآباد دکن کو تیس ہزار روپیہ چندہ جمع کرا کے دیا۔ ۱۹۴۸ء میں جب حیدرآباد بوجہ تقسیم ہند و پاکستان زرغہ میں آگیا، اور وہاں خون کے دریا بہہ گئے تھے تو آپ نے حیدرآباد ریلیف کمیٹی میں آٹھ دس سال کام کیا اور مصیبت زدہ لوگوں کی زبردست مدد فرمائی۔ اور اس واقعہ جانکاہ کے متعلق عربی زبان میں ایک سو ابیات کا قصیدہ بطور شہر آشوب لکھا تھا، جو بقول مرحوم صاف گوئی اور تیکھے رنگ میں کہا تھا جس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

ما للدھر لا تعاریف وعدوان	ما للسکون تقلب فیہ اسکان
بکل حین زمن حاد حول	کل آن من یومہ شان
عادۃ الدھر تعقیب بتجربۃ	فما بقی احد بان و بیان
ان الحدیث لذو حزن یذوذ شجن	بنی الشیوخ وشابت منہ شبان
لا تقدر القدر ان شد قد منا بلا	تکلیف للصدر ان قامت اشجان
آلفنا منک زجوا ما فو ملہ	فتح و فرج و احسان و رضوان
فی کل صعب و عسرات لتجانہ	فی الثبات علیک اللہ مستعان
و دفق القوم رشد الھندی سبیلا	بالسیل فیھا لحکم اللہ عصیان

تسمو الحنیفیۃ البیضاء الزمانیۃ احسنی مسنام التطور والتفہیم

فارسی میں آپ کو مشہور شاعر رضی الدین کیفی سے تلمذ تھا کیفی نے ایک ادبی خاص انجمن قائم کی تھی جس کا نام رکھا تھا "انجمن فتنۃ الضیاں" مقصد یہ تھا کہ ایسے مختصر جملے وضع کئے جائیں جو بڑے سے بڑے مضمون کا ملخص یا تلمیح ہو مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے قصہ کا ملخص یہ تھا۔

"پیرے بود پسرے داشت گم شد باز یافت"

آخر زمانہ میں ملا عبدالباسط مرحوم صدر انجمن اسلامیہ حیدرآباد اور اس کے بعد جامعہ نظامیہ کے رکن رہے، اور ایک اہم کام یہ کیا کہ جامعہ نظامیہ کے کتبخانہ کی فہرست توضیحی مرتب کروائی۔ جو خان بہادر نظیر الدین ہاشمی کے سپرد تھی، موصوف کو اس سے کچھ اطمینان نہیں تھا۔ نیز آپ نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ اپنے جد امجد محمد مہدی واصف، ملا عبدالقیوم کے بیش قیمت کتبخانہ کی کتابیں زیادہ تر جامعہ عثمانیہ میں فروخت کر دیں، تاکہ وہ ایک خاص علمی ادارہ میں محفوظ ہو جائیں۔

آپ نے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی چھوڑی جو تعلیم یافتہ اور اچھی خدمات پر فائز ہیں۔ میرے اور علامہ عمر یافعی کے تعلقات مرحوم سے بیس پچیس سال سے تھے مرحوم نے اپنے جد امجد ملا عبدالباسط عشق کا کلام اور والد بزرگوار ملا عبدالقیوم کے حالات ابو محمد عمر الیافعی کے اہتمام سے چھپوایا تھا تذکرہ عشق تو انجمن ترقی اردو پاکستان سے مل سکتا ہے۔

آپ کی تصانیف ۱۔ ترجمۂ آداب المریدین مصنفہ شیخ نجیب الدین سہروردی (اردو) غیر مطبوعہ
۲۔ اسلام اور حق خلع۔ (اردو) مطبوعہ
۳۔ ترجمہ قرآن مولانا عبدالحق دہلوی (اصلاح زبان مرحوم کی حد تک) غیر مطبوعہ
۴۔ عربی فارسی کلام متفرق) اور عربی قصیدہ متذکرہ صدر بوزن صالح الدین اندلسی۔

شریف الحسن طاہرپوری

لکھنؤ کے قدیم رسائل

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی نے دلگداز کے علاوہ کئی رسالے نکالے تھے ان میں ایک رسالہ "العرفان" بھی تھا جو ۱۹۰۵ء میں مولوی محمد سعید الحق کی ادارت میں شایع ہونا شروع ہوا اور ۱۹۰۸ء تک جاری رہا اس کے بعد شرر حیدرآباد چلے گئے لہٰذا یہ رسالہ بند ہوگیا۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کا پہلا اور عجیب و غریب تھا اس میں الٰہیات اور تصوف سے بحث کی جاتی تھی دنیائے تصوف میں اسے خاص شہرت حاصل ہوگئی تھی۔ اس میں مضامین زیادہ تر مولانا شرر کے ہی ہوتے تھے جو وہ "ناظم العرفان" کے نام سے لکھتے تھے۔ یہ رسالہ دلگداز پریس میں چھپتا تھا اور محلہ گنزہ مرزا بیگ خاں لکھنؤ سے شایع ہوتا تھا اس کی ضخامت اڑتالیس صفحات تھی۔ اس کے اغراض و مقاصد میں لکھا ہے ؎

"یہ رسالہ محض دینداری کا جوش بڑھانے رموز حقیقت اور الٰہیات کے نازک مسائل پر بحث کرنے نوجوانان اسلام کے بھٹکتے ہوئے دلوں سے ملحدانہ شکوک و شبہات کے دور کرنے اور خاصتہً علمائے وحدانیین بزرگان طریقت اور صوفیہ اسلام کے اصول بتانے کے لیے شایع کیا جاتا ہے"۔

"اس کا پہلا رسالہ تیمناً و تبرکاً ۲۷ رمضان مبارک یعنی شب قدر کی صبح کو شایع کیا گیا اور ہمیشہ ہجری سال کے ہر عربی مہینہ کے عشرۂ آخر میں شایع ہوا کرتا ہے عام قیمت سالانہ تین روپیہ مع محصول ڈاک امیر خادمان اہل الثروت سے دو روپیہ۔ حضرات مشایخ علمائے باطن اور مرشدان طریقت کی خدمات میں محض خدا ترسی کے طور پر بلا معاوضہ قیمت پیش کیا جائے گا جس کے معاوضہ میں امید ہے کہ وہ اپنے حلقۂ ذوق کے حالات اور اپنے مریدوں کے واقعات سے اسے سرفراز فرماتے رہیں گے"۔

میرے پیش نظر صرف تین شمارے ہیں۔

العرفان۔ جلد دوم۔ تیسرا رسالہ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۳ ہجری نبوی صلعم۔

فہرست مضامین:۔ صوفی کی ضرورت، خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت صدیق کی پہلی تقریر، علم کے ساتھ عمل، علم کی ضرورت محو و اثبات، علماء کی قدر و منزلت، علم رباعیہ، حضرت معروف کرخی رباعیات مولانا۔ یہ سب مضامین شرر کے ہیں۔ تعریف تصوف از کتب محمد مسعود صاحب۔ اعلیٰ تعلیم کے مقاصد اور اغراض۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ

العرفان جلد دوم چوتھا رسالہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۳ ہجری نبوی صلعم۔

فہرست مضامین:۔ تصوف کے ساتھ تعصب نہیں رہ سکتا۔ سقراط کی چند نصیحتیں۔ طریقہ قلندریہ۔ توبہ کا ایک بہترین طریقہ عشق صادق۔ حضرت رسالت کی غذا۔ مزاروں پر ناچ۔ جھوٹ بولنا۔ حضرت بشر حافی، رباعیات مولانا روم۔ ترجمہ البرہان المؤید۔ یہ سب مضامین شرر کے ہیں۔

العرفان جلد دوم، پانچواں رسالہ ماہ جمادی الاول ۱۳۲۳ ہجری نبوی صلعم۔

فہرست مضامین:۔ اللہ کا دیدار۔ اسلام میں عجیب کون ہے فساد۔ حب وطن۔ ترجمہ برہان المؤید۔ تاریخ تجلی یہ مضامین شرر کے ہیں۔

۱۵ مئی ۱۹۳۱ء کو ایک ماہنامہ "عندلیب" چوک کٹرہ حیدر حسین خاں سے شایع ہونا شروع ہوا اس کے ایڈیٹر حکیم صدیقی تھے اشاعت العلوم پریس فرنگی محل میں چھپتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ عوام سے عہر طلبہ سے عہر والیان ریاست سے دس روپیہ رؤسا سے پانچ روپیہ لیا جاتا تھا۔ یہ ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو شایع ہوتا تھا اس میں ادبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین شایع ہوتے تھے۔ اس کا پہلا شمارہ میرے پیش نظر ہے۔

عندلیب جلد ۱ نمبر ۱ ماہ مئی ۱۹۳۱ء صفحات ۳۲

فہرست مضامین:۔ حصۂ نظم میں حیدر کاکوروی، شفق عماد پوری کیف کاکوروی، آہ سیمابی، عزیز، اعظم لکھنوی، نسیم نقوی، حمید مسعود نیپوی، نشتر سندیلوی اور جوش ملیح آبادی نے حصہ لیا ہے۔

حصۂ نثر میں اسعد انصاری، ایم۔ اے لکھنوی، محمد عبدالحئی خاں اور عبداللطیف سفیر نجیب پوری نے حصہ لیا ہے۔

ایک مصور رسالہ اگست ۱۹۴۰ء سے "میخانہ" ماہنامہ زیر ادارت اسعد انصاری شایع ہوا۔ یہ اشاعت العلوم پریس فرنگی محل میں چھپتا تھا اور یارجنگ دالی گلی لکھنؤ سے شایع ہوتا تھا اس کی ضخامت ۴۲ صفحات کی تھی اس کا ٹائٹل پیج رنگین ہوتا تھا اور یہ شعر لکھا رہتا تھا ؎

رند پی پی کے نکلتے رہیں میخانے سے
مے چھلکتی رہے ساقی ترے پیمانے سے

اور ایک آرٹ کا نمونہ اندر لگا رہتا تھا۔ رسالہ قلعی دار کاغذ پر چھپتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ والیان ریاست سے ۲۵ روپیہ امراء سے ۱۰ روپیہ معاونین سے ۵ روپیہ، عوام سے ڈیڑھ روپیہ اور طلبہ سے ایک روپیہ لیا جاتا تھا یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوتا تھا اس میں علمی و ادبی مضامین شایع ہوتے تھے۔ اس کے مختلف شمارے میرے پاس ہیں آخر میں اکتوبر ۱۹۴۰ء کے شمارے کا تعارف پیش کر رہا ہوں اسی شمارے کا ٹائٹل جناب اختر حسین صاحب فاروقی آرٹسٹ پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے

پیکر کیا تھا۔ اس پر یہ شعر بھی لکھا ہے ؎
تجھ کو مسجد ہے، مجھ کو میخانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

فہرست مضامین:۔ حصۂ نظم میں جگر مراد آبادی۔ لسان الہند مولانا عزیز لکھنوی۔ ریاض خیر آبادی۔ حمید صدیقی لکھنوی۔ رواں [illegible] وی۔ اعظم لکھنوی۔ خنجر کاکوروی اور ظریف لکھنوی نے حصہ لیا ہے۔ حصۂ نثر میں شبیر احمد علوی، شاہد احمد، سیفی ملیح آبادی، عطیہ بانو صاحبہ، ایم۔ اے لکھنوی اور اے ایچ فاروقی نے حصہ لیا ہے۔ ایڈیٹر کے قلم سے محقق زمانہ رنگ زمانہ اور معاصرانہ تحریر ہے۔

ایک ماہنامہ "ڈھونڈھورا" نام کا مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ باہتمام سیٹھ کیسری داس شایع ہوتا تھا اس کے ایڈیٹر منشی گوری شنکر لال اختر رئیس زادہ تھے اس کی ضخامت ایک سو چار صفحات تھی اس کا سالانہ چندہ ساڑھے تین روپیہ اور فی پرچہ آٹھ آنے قیمت تھی۔ یہ کب سے شایع ہوا پتہ نہیں چلتا ہے میرے پیش نظر ماہ ستمبر ۱۹۲۲ء کا پرچہ ہے۔ "ڈھونڈھورا" کا دستور العمل ہے کے عنوان سے لکھا ہے۔

۱۔ یہ نایاب اور نادر رسالہ شہر لکھنؤ سے نہایت حسن و خوبی سے ہر ماہ کی پہلی کو نہایت باقاعدہ طور پر شایع ہوتا ہے۔

۲۔ اس کے مضامین کا پایہ نہایت بلند ہوتا ہے۔ اخلاق فلسفہ۔ علم و ادب۔ صنعت و حرفت۔ شاعری۔ تصوف تواریخ۔ ناول۔ ناٹک۔ پر اثر قصے۔ شگفتہ و شائستہ مذاق غرضکہ اس کے صفحات میں ہر قسم کی دلچسپیوں کا سمندر موجزن رہتا ہے۔

۳۔ ڈھونڈھورا کے تمام نئے و پرانے خریداروں کو شروع سال میں کوئی نہایت پُر اثر ناول ہدیۃً صرف ڈاکخرچ اور محصول ادا کرنے پر نذر ہوگا اس تحفہ کے لئے کوئی خاص تاریخ مقرر ہوگی جس کا اعلان اس کے صفحات میں ہوگا۔ ازاں بعد تاریخ گذر جانے پر پھر نہ ملے گا۔

فہرست مضامین:۔ حصۂ نثر میں کرم اور جنت کے ٹھیکیدار کا خیال سیواجی کا راج تلک۔ بیماری اور اس کا علاج۔ یار افسانہ۔ نیویارک۔ زہریلے سانپ، مرغیوں کی لڑائی۔ برہما میں عورتوں کی آزادی۔ حق پرستوں کے لئے قیمتی ہدایتیں۔ شانتی اور سکھ۔ اخلاص۔ باباجی کی جھولی۔ مضامین ہیں۔ حصۂ نظم میں برقؔ دہلوی۔ گوہرؔ لکھنوی۔ اخترؔ لکھنوی۔ طالبؔ بنارسی۔ صادقؔ بلند شہری۔ طالبؔ کاشمیری رجن لال ایجادؔ۔ منورؔ لکھنوی۔ شنکر سروپ مفتونؔ نے حصہ لیا ہے۔

بشیر بدر

غزل

میرے بستر پہ سو رہا ہے کوئی
میری آنکھوں میں جاگتا ہے کوئی

ان پہاڑوں میں رہتے ہیں ہمزاد
بول کر دیکھو۔ بولتا ہے کوئی

آج میں جاگوں گا کہ سوتے میں
میری پلکوں کو چومتا ہے کوئی

آسکا تو ضرور آئے گا
میرا محبوب، بے وفا ہے کوئی

میرا شیطان مر گیا شاید
میرے سینے پہ سو رہا ہے کوئی

رنگ یہ بھی بہت پرانا ہے
سوچتا کوئی، بولتا ہے کوئی

سات پردوں میں چھپ کے دیکھ لیا
کپڑے بدلو۔ تو دیکھتا ہے کوئی

مظفر اقبال

اردو میں خواتین کا اولین ناول۔ اصلاح النساء

(گذشتہ سے پیوستہ)

اصلاح النساء کا طرز بیان نہایت دلکش ہے، اس کی زبان خاص ناول کی زبان ہے، سلیس، عام فہم اور رواں، روزمرہ اور محاوروں کا استعمال کثرت سے اور فنکارانہ طور پر کیا گیا ہے۔ اصلاح النساء میں سرشار اور شرر کے ناولوں کی سی انشاء پردازی کہیں بھی نظر نہیں آتی لیکن اگلے وقتوں کی "دادی اماں" اور "نانی اماں" کا دلآویز اور شیریں انداز بیان ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔ ممکن ہے رشیدۃ النساء نے یہ انداز بیان غیر شعوری طور پر اختیار کیا ہو لیکن اس امر میں کسے شبہ ہو سکتا ہے کہ یہی اسلوب بیان افسانوی ادب کے لیے مناسب ترین ہے اور اس اعتبار سے بھی اصلاح النساء کو اردو کے ابتدائی ناولوں میں ایک امتیاز حاصل ہے۔

اصلاح النساء میں مقامی رنگ ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے اس کی طرف اختر صاحب اورینوی اور مقبول احمد صاحب نے بھی اشارہ کیا ہے میں اس پر صرف یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ اس کی زبان اور طرز بیان میں بھی مقامی رنگ و آہنگ کے نشانات ملتے ہیں، عبارت میں جا بجا بہار کے ٹھیٹ محاورات کو اس طرح استعمال کیا گیا ہے کہ یہ عبارت کا جزو بن گئے ہیں اور اس اعتبار سے اس پر شاد عظیم آبادی کے ناول صورت الخیال (۱۸۷۶) کا اثر نظر آتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اوگٹ دینا:۔ "میری ماں باپ نے کیا قصور کیا تھا جو تم نے ان کو اوگٹ دیا۔"

(اصلاح النساء حصہ اول ص۲۲)

۲۔ اوجبڑ ہونا:۔ "کیا تمہارے باپ کے یہاں کبھی میرے باپ کھانے پینے کو جاتے تھے مجھ کو دوسرا کوئی نہ سمجھنا، میں فساد کر ڈالوں گی، غرض کہ اوجبڑ ہو گئیں۔"

(اصلاح النساء حصہ اول ص۲۷)

۳۔ ہڑ دو ہو جانا:۔ "ماما اصیلوں کے ہاتھوں سے چیزیں تلف ہونے لگیں، چوری کا بازار گرم ہوا، کریم النساء کی ساری محنت اکارت گئی وہ دیکھتی تھی اور مسوس کر رہ جاتی تھی، کرتی کیا اب تو انتظام رہا نہ حفاظت سارا کارخانہ ہڑ دو ہو گیا۔" (اصلاح النساء حصہ اول ص۳۸)

آخر میں اصلاح النساء کے اس امتیازی وصف کو واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس کے لئے یہ مضمون لکھا گیا ہے یعنی یہ کہ اب تک کی تحقیقات کے پیش نظر اصلاح النساء ہی اردو میں خواتین کا اولین ناول ہے، اردو کے افسانوی ادب سے خاص شغف رکھنے والے مشہور و معروف اہل قلم وقار عظیم صاحب اپنی کتاب "داستان سے افسانے تک" میں رقم طراز ہیں:

"عورتوں نے اردو میں ناول مردوں کے بہت بعد لکھنے شروع کئے اور ان کے لکھے ہوئے ایسے قصے جنہیں ناول کی ابتدائی صورت کہا جا سکتا ہے بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے نہیں ملتے۔"

(داستان سے افسانے تک ص۱۰۱)

میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اصلاح النساء کا سنہ تصنیف ۱۸۸۱ء اور سال طباعت و اشاعت ۱۸۹۴ء ہے اس لیے اب یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ وقار عظیم صاحب کا مذکورہ بالا بیان درست نہیں ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ رشیدۃ النساء سے قبل کسی دوسری خاتون ناول نگار کا اب تک پتہ نہیں چلا ہے اور اس اعتبار سے اصلاح النساء کو ہی اردو میں خواتین کا اولین ناول قرار دیا جا سکتا ہے اور چونکہ اس میں اندرون خانہ کے احوال بیان کئے گئے ہیں اس لیے اس میں "سنی سنائی" سے زیادہ "آنکھوں دیکھی" کا انداز کارفرما ہے اور اس وصف کی بدولت اسے انیسویں صدی کا ایک اہم ناول قرار دیا جا سکتا ہے۔

مراسلات

میر کی قبر

لکھنؤ میں عام خیال ہے کہ میر کی قبر لاپتہ ہے یا پھر اس قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے یا پھر اس پر دوسرا پتھر لگا ہوا ہے۔ میں اس خیال سے متفق نہیں ہوں۔ میں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں میر کی قبر دیکھی ہے اس پر فاتحہ پڑھی ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

بیس سال قبل کی بات ہے۔ اس وقت گورنمنٹ جوبلی انٹر کالج لکھنؤ میں زیر تعلیم تھا اور ڈالی گنج میں میرا قیام تھا۔ ڈالی گنج سے کالج جانے میں اس ریلوے پھاٹک کے نیچے سے گزرنا پڑتا تھا جس سے ایک سڑک میڈیکل کالج کو چلی جاتی ہے جو جگت نرائن روڈ کہلاتی ہے دوسری سڑک میں کالج کو جاتی ہے۔ ریلوے پھاٹک کے پاس بائیں ہاتھ پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے اس سے ملا ہوا ایک قبرستان کچی پکی قبروں کا تھا۔ اسی قبرستان میں میر کی قبر تھی سفید پتھر کا کتبہ تھا قبر چبوترے کے ساتھ نہایت خستہ حالت میں تھی اس قبرستان میں شہر اسٹیشن سے لائن پار کرکے بھی آیا جا سکتا تھا۔ سٹی اسٹیشن اور کالج کے بیچ میں صرف سڑک کا فاصلہ ہے لہذا طلبہ اسٹیشن پر سگریٹ نوشی کرتے تھے کبھی کبھی ریلوے اسٹاف اور مسافروں سے بھی چھیڑ چھاڑ ہو جاتی تھی رپورٹ ہونے پر طلبہ کا اسٹیشن جانا پرنسپل کے آرڈر سے بند ہو گیا کچھ ماسٹر صاحبان اسٹیشن پر جا کر نگرانی بھی کرنے لگے تھے لہذا سگریٹ پینے والے طلبہ کا اڈہ قبرستان میں جمنے لگا یہ اڈہ میر کی قبر کے پاس ہی جمتا تھا۔ کالج سے واپسی پر ڈالی گنج والے طالب علم زیادہ تر ایک ساتھ آتے تھے کبھی کبھی سب لوگ اسٹیشن سے ہو کر قبرستان سے گزر کر سڑک پر آتے تھے اس راستے سے گزرنے کا خاص سبب اڈے پر ایک کش لگانا ہوتا تھا۔

رفتہ رفتہ طالب علمی کا زمانہ ختم ہوا اور ملازمت میں آیا اور عرصہ تک لکھنؤ سے باہر رہا۔ لکھنؤ میں اس عرصہ میں کافی تبدیلیاں ہو گئی ہیں نئی کالونیاں جگہ جگہ بن گئی ہیں۔ اس قبرستان میں بھی کچے پکے مکانات بن گئے ہیں۔ پرانا نقشہ جو تصور میں تھا اس کی مدد سے جو جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ میر کی جگہ ایک مکان کا پاخانہ تعمیر ہے۔ میر کی قبر کا نام و نشان مٹ گیا ہے۔ یہ سب اردو دوستوں کی بے حسی اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے اردو دوست اپنے اس عیب کو یہ نظریہ گڑھ کر چھپاتے ہیں کہ میر کی قبر لاپتہ ہے یا اس پر دوسرا پتھر لگا ہوا ہے حقیقت یہ ہے کہ قبر کا دنیا میں نام و نشان ہی باقی نہیں رہ گیا ہے۔

(شریف الحسن عثمانی)

جلوہ جہاں نما

کچھ عرصہ ہوا جب میری نظروں سے ایک کتاب جلوہ جہاں نما گزری تھی۔ اندازاً کوئی رات کے ۹ بجے کا عمل تھا اور روشنی کا خاطر خواہ انتظام بھی نہیں تھا۔ کچھ عجلت میں بھی تھا کتاب کی سرسری طور سے ورق گردانی کرنے لگا۔ ایسا نظر آ رہا تھا کہ پوری کتاب قلمی ہے۔ گاہ گاہ خوشخطی اور سیاہی سے یہ بھی اندازہ ہونے لگتا تھا کہ کتاب شاید مطبوعہ ہے۔ اوراق پر نمبر شمار موجود نہیں تھا۔ مصنف کا نام کتاب کے نام کے ساتھ نہیں لکھا ہوا تھا۔ شروع کے دو ڈھائی صفحات نثر میں تھے بعد میں آغاز جلوہ کے ذیل یہ اشعار تھے ؎

شاہ شاہان کچھ نہ پوچھو ماجرا
کیا وہ جلوہ تھا جو آیا بر ملا

شان و شوکت خوش خبر ہے آشکار
سب کا مرکز وہ توانا کردگار

آخری حصے میں بعنوان بیان جلوہ ہفتم یہ اشعار تھے ؎

شکر کر او جن کہ کیا طالع ترا بیدار ہے
تو اسے دیکھے جسے جلوے سے تاکا جاتا ہے
سب ملائک منتظر بیٹھے تھے اس دید کے
یہ تو اب وقت ہے اور دید حیف الاظہار ہے
دید پڑھنا ایک کا کرنا خیر اور خیرات ہے
ایسے جلوے میں ہر ایک ناچار ہے بیکار ہے

اور آخیر کے دو اشعار یہ تھے ؎

جو بنانا تھا بنایا دیکھ کیا باقی رہا
ایک نکتہ ہے جو تیرے حق میں اب بیکار ہے
ترک کر سب منطقیں لے مجھ اکیلے کی پناہ
یہ مرا ذمہ ہے اب تیرا بیڑا پار ہے

سب کے آخر میں یہ عبارت تھی۔

نقل اس جلوہ جلوۂ جہاں نما کی حسب الحکم فیض گنجور قدر دان والا شان جناب والا ٹھاکر رام سنگھ صاحب بی اے فاضل مجسٹریٹ دوم و منصف ردولی پرگنہ باسودہ ضلع بھیلسہ گڑھ دام اقبالہٗ کی گئی بقلم بندہ خیر خواہ ترقی عدالت رحمت سکریٹری شیو پرشاد المجدد دیوانی عدالت موصوفہ تاریخ ۱۰ جنوری ۱۸۹۲ء مطابق سمت ۱۹۴۸ یوم یکشنبہ کسی خاص وجہ سے میں اس مقام پر زیادہ دیر ٹھہر بھی نہیں پایا لیکن عجلت میں جو کچھ سمجھ میں آیا اس کی بنا پر اس کتاب کو ۱۸۹۲ء کا یا اس سے قبل کا نسخہ سمجھ لیا۔ چونکہ ہماری زبان کے پڑھنے والوں اور اس میں لکھنے والوں کا علمی ذخیرۂ معلومات وافر معلوم ہوتا ہے نیز اکثر اسکالرز ریسرچ کے سلسلہ میں بھی علمی مباحث اور استفسارات اس میں فرماتے رہتے ہیں لہذا یہ بہتر سوچا کہ ہماری زبان کے ذریعہ اپنے شکوک و شبہات کو دور کر سکوں اور قارئین کرام نیز علم دوست حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں۔ چنانچہ میں ممنون ہوں گا اگر کوئی صاحب اس سلسلہ میں مجھے مزید واقفیت دے سکیں۔ پہلا سوال تو یہی ہے کہ اس نظم کا اصل مصنف کون تھا دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا یہ کتاب شائع ہو چکی ہے یا نہیں، شائع ہوئی ہے تو کب اور کہاں سے اور ان دنوں کہاں دستیاب ہو سکتی ہے۔

(جہانگیر کنٹی)

اردو کی مخالفت کا طریقہ

ہمارے ایک مدراسی دوست ہیں۔ نام تو ان کا خاصا طویل ہے مگر مختصراً ہم لوگ ان کو مسٹر نیا کہتے ہیں۔ ان کے والد سرکاری دفتر میں ایک اونچے عہدے پر ہیں۔ یہ خود بھی ملازم ہیں اور فخریہ کہتے ہیں کہ ہم نے ہندی بھی سیکھ لی ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی شکایت ہے کہ پھر بھی یہاں والے ہم لوگوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے۔ یعنی ہندی سیکھ لینے کے باوجود ہماری رواداری کی اس بے مثال قربانی کے باوصف لوگ ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ لیکن ایک نہایت اہم پہلو یہ سامنے آیا کہ ان کے ہندی کے استاد نے اردو کی بابت یہ بات ذہن نشین کرادی ہے کہ اردو ہندو مسلمانوں کے جھگڑے سے پیدا ہوئی اسی لیے اس میں لڑائی جھگڑے کے الفاظ ہیں اور اس کا لہجہ بہت ہی کرخت ہے۔ اب ہم لوگ ان کو کئی طرح سے سمجھاتے ہیں مگر وہ اثر نہیں زائل ہوتا۔ اس ایک مثال سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اردو دشمنی کی مہم کس کس طرح سرگرم عمل ہے مگر اردو دوست زبانی جہاد کے سوا عملی جہاد سے قطعاً دور ہیں۔ لہذا میری رائے ہے کہ انجمن ترقی اردو کا فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی ہر زبان میں اس قسم کا لٹریچر ترتیب دے کہ (۱) اردو کہاں پیدا ہوئی۔ (۲) اردو میں کس کس زبان کے الفاظ شامل ہیں (۳) اردو نے کتنی مدت میں ترقی کی (۴) اردو زبان کس ماحول میں پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ ہر زبان کے اس لٹریچر میں اردو کے حروف تہجی اس زبان کے حروف کے ساتھ ضرور ضرور شائع کیے جائیں تاکہ اس زبان کا قاری کم از کم اردو حروف سے آشنا ہوسکے اور ہر علاقہ میں ایسا گروہ پیدا کیا جائے جو اس پمفلٹ کی تقسیم کرے اور رپورٹ دے کہ اس تشہیر سے عوام کس حد تک متاثر ہوئے اور ہیں۔ نظر میں اس کام کی اہمیت نہیں معلوم ہوتی مگر ایک عرصہ تک اگر یہ عمل جاری رہے اور مشنری طریقہ سے کام کیا جائے تو یقین کامل ہے کہ فائدہ ہوگا۔ اردو کتابیں چھاپنے کے مقابلے میں اب اردو دوستوں کو اس کام پر زیادہ توجہ صرف کرنی چاہیے۔ خاموش خدمت کے اس عمل پر طوفان پنہاں ہے۔

(سید مرتضیٰ حسین بلگرامی)

گزارش

مجھے ایک مضمون کے سلسلے میں سید ہدایت علی ابن سید رفیق علی ولد سید سخاوت علی واسطی بلگرامی کے حالات زندگی درکار ہیں۔ صاحبان علم سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں براہ راست یا بذریعہ ہماری زبان تعاون فرمائیں۔

حنیف نقوی
شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

انیس انور

مکتوب لندن

مانچسٹر میں یوم اقبال نسیم احمد باجوہ کی اطلاع کے مطابق ۲۸ اپریل بروز اتوار چار بجے سہ پہر کوپروب ہال، مانچسٹر ۱۲ میں یوم اقبال منایا جائے گا۔ جس میں مقررین علامہ اقبال کی شاعری اور سیاسی فلسفہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں گے اور چند گلوکار کلام اقبال ترنم سے پیش کریں گے۔ اس یادگار تقریب میں شرکت کے لیے مانچسٹر اور اطراف کے اردو نواز حضرات کو مدعو کیا گیا ہے۔

ٹیلی ویژن پر انگریزی تقریر اور اردو ترجمہ گذشتہ اتوار کو بی بی سی ٹیلیویژن کے پروگرام اپنا ہی گھر سمجھئے میں نسلی امتیاز کے خلاف حکومت کی طرف سے پیش کئے جانے والے بل کے متعلق وزیر داخلہ (ریاستی) ڈیوڈ اینلز نے انگریزی میں تقریر نشر کی۔ جس کا ترجمہ فوراً بعد مہندر کول نے اردو میں نشر کیا۔ مسٹر ڈیوڈ اینلز کی تقریر بی بی سی کے لندن اسٹوڈیوز سے نشر ہوئی جبکہ اردو ترجمہ بی بی سی کے برمنگھم اسٹوڈیوز سے مہندر کول نے پیش کیا۔ اس ہفتہ وار پروگرام میں شاید پہلی بار یہ خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ اس ترجمہ کے بعد مہندر کول نے نسلی امتیاز کے خلاف بل پر لندن میں مقیم انڈین ایکسپریس کے نمائندے مسٹر [illegible] اسود داس اور ایک پاکستانی ڈاکٹر غلام صابر خاں سے اردو میں انٹرویو لیا اور نسلی امتیاز کے بارے میں ان کے خیالات و احساسات کا جائزہ لیا۔

بزم تفریح کا ماہانہ مشاعرہ عبد الحلیم صدیقی سکریٹری بزم تفریح لندن کی اطلاع کے مطابق ماہانہ مشاعرہ ۲۸ اپریل بروز ہفتہ کالاکسنس ہال میں زیر صدارت چودھری اکبر خاں منعقد ہوگا جس میں لندن اور اطراف کے ممتاز شعرائے کرام، لطیفہ گو اور معروف موسیقار شرکت کریں گے۔ ادب نواز حضرات اور فن موسیقی کے شائقین سے شرکت کی درخواست کی گئی ہے۔

بشکریہ [illegible] ایشیا۔

انگلستان

(از جی۔ اے۔ جبلی (شبلی))

حور انگلستان میں، غلمان انگلستان میں — جنت ارضی کا ہر سامان انگلستان میں
اونٹ ریگستان میں ہیں [illegible] انگلستان میں — [illegible] سلطان انگلستان میں
دختر رز [illegible] — رہ گئے [illegible] انگلستان میں
ہوگئی [illegible] — آگیا ہے جب کالا انسان انگلستان میں
[illegible] سید ضمیر جعفری — اب تو [illegible] انگلستان میں

چھوٹ کر اپنے وطن سے آکے بس جاتے ہیں ہے
[illegible] بے بال و پر کی جا [illegible] انگلستان میں

گزارش "ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (ادارہ)

مکتوب بھوپال

غالب صد سالہ تقریبات کا افتتاح:-

مدھیہ پردیش کی راجدھانی میں علم و ادب کے مختلف شعبوں کی نمائندگی کرنے والے نمایاں اصحاب کے پروقار اجتماع میں غالب کی صد سالہ برسی کی تقریبات کا افتتاح ڈاکٹر گیان چند صدر شعبۂ اردو جموں و کشمیر یونیورسٹی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس جلسہ کی صدارت انگریزی کے اسکالر ڈاکٹر راجندر ورما جوائنٹ ڈائرکٹر کالج ایجوکیشن مدھیہ پردیش نے کی۔ اس جلسہ کا انعقاد "حلقۂ ارباب ادب" نے کیا تھا!

مدھیہ پردیش میں غالب صد سالہ کمیٹی کی تشکیل:-

سیفیہ کالج میں انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کی دعوت پر ایک جلسہ ہوا جس میں غالب صد سالہ تقریبات کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس جلسہ کی صدارت صوبائی انجمن کے صدر جناب فخر الدین نے کی۔ اس جلسہ میں صوبہ میں ان تقریبات کو عظیم شاعر کے شایان شان منانے کے لیے ایک محرک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔ اس میں مسٹر فخر الدین، مس شفیقہ فرحت، مسٹر عزیز قریشی، مسٹر یوسف کمال بخاری، مولانا ناصر الدین انصاری، ڈاکٹر کانتی کمار، مسٹر آفاق احمد (جنرل سکریٹری)، ۸ افراد پر مشتمل ایک اور کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔ مدھیہ پردیش کے مختلف شہروں اور علاقوں میں غالب کی تقریبات کے لئے کمیٹیاں بنائی جارہی ہیں۔

شاعر مشرق کو خراج عقیدت:-

یہاں شاعر مشرق علامہ اقبال کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ علامہ اقبال بھوپال میں بھی رہے ہیں اس لئے اس خصوصی تعلق کو بھی یاد کیا گیا۔ ان کی یادگار میں قائم اقبال لائبریری میں مسٹر یوسف کمال بخاری ڈائرکٹر [illegible] کی صدارت میں جلسہ ہوا جس میں مسٹر ابراہیم عرفان صدر انجمن ترقی اردو بھوپال، مسٹر آصف شاہ میری، مسٹر [illegible] غالدی، مسٹر آفاق احمد کے علاوہ صدر جلسہ نے اقبال کے فلسفہ اور شاعری پر روشنی ڈالی۔

ٹی ٹی نگر ینگ کلب اور "نئی تہذیبی اور ادبی انجمن" نے راجہ لالہ ملک راج سابق وزیر ریاست بھوپال کی صدارت میں اقبال کی یاد میں ایک جلسہ ہوا۔

اردو کی ہمہ گیری پر مقالہ:-

"حلقۂ ارباب ادب" کے ایک خصوصی جلسہ میں جو [illegible] گرلز کالج میں شعبۂ اردو کے صدر مسٹر ابراہیم خاں کی صدارت میں ہوا مسٹر ابراہیم عرفان نے اردو کی ہمہ گیری پر ایک معلوماتی مقالہ پڑھا۔ اس مقالہ کے ساتھ فاضل مقالہ نگار نے نقشوں، اعداد و شمار، چارٹوں اور ڈائگراموں کے ذریعہ اپنے موضوع کی حمایت میں ثبوت پیش کئے آپ نے کہا اردو ہی دنیا کی ساری زبانوں کا رس ہے جو منہ سے نکلتے ہی ذہن پر اثر کرتی ہے۔ مس عشرت صدیقی نے حلقہ کی طرف سے قرارداد شکر پیش کی۔

(نامہ نگار "ہماری زبان")

گنتور میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا قیام

اوائل مارچ میں گنتور میں انجمن ترقی اردو حیدرآباد کی ایک شاخ قائم ہو گئی ہے۔ اس کا افتتاح مسٹر نارائن ریڈی صاحب نے کیا۔ گنتور ضلع کی جملہ آبادی ۲½ لاکھ ہے جس میں اردو مادری زبان والے ۴۵ ہزار ہیں اور اردو بولنے والے کم از کم ۶۰ ہزار ہوں گے۔ یہاں کے لوگ اردو مجلس جیسی ایک مجلس بھی قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے ماہانہ اجلاس ہوا کریں اور اس طرح فروغ اردو میں مدد ملے۔ اور دوسرے یہ کہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے امتحانات یہاں بھی ہوا کریں۔

انجمن ترقی اردو راجستھان کا میمورنڈم

انجمن ترقی اردو راجستھان کے سکریٹری جناب احترام الدین احمد شاغل نے راجستھان ساہتیہ اکیڈمی کو ایک میمورنڈم بھیجا ہے جس میں ساہتیہ اکیڈمی کی توجہ اردو کی ترقی کی طرف مبذول کرائی گئی ہے میمورنڈم کا متن درج ذیل ہے

"۲۰ اگست ۱۹۶۶ء کو انجمن ہذا کا ایک وفد گنگوال پارک جے پور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور بعد تبادلۂ خیالات قرار پایا تھا کہ انجمن ترقی اردو راجستھان کے نمائندے کی حیثیت سے اکیڈمی کی ممبری کے لئے تین ناموں کی فہرست بھیج دی جائے جن میں سے کسی ایک کو جگہ خالی ہونے پر لے لیا جائے گا۔ اس لیے ۱۷ ستمبر ۱۹۶۶ء کو یہ فہرست بھیج دی گئی۔ اور اس کے بعد یاد دہانی بھی کی گئی۔ خاص کر اس وقت کہ جب جگہ خالی ہوئی۔ پھر اس کے بعد حال ہی میں جناب سید عبدالرؤف صاحب نے بھی اس سلسلہ میں بمقام اجمیر جناب والا سے ملاقات کی۔ اور منشی چند بہاری لال صاحب صبا نے بھی بتایا کہ انھوں نے بھی اس بات پر زور دیا کہ انجمن کا کوئی نمائندہ اکیڈمی کا ممبر ضرور ہونا چاہئے۔ مگر اب تک ایسا نہیں ہوا۔"

جواب میں کہا جاتا ہے کہ راؤ بہادر پنڈت اوتار نارائن صاحب بہادر سابق نائب صدر حال صدر انجمن ہذا نے اکیڈمی کی ممبری سے استعفا دے دیا ہے اس لئے انجمن ترقی اردو راجستھان کا کوئی نمائندہ اکیڈمی کا ممبر نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پنڈت صاحب موصوف نے استعفا دیا ہے؟ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ

"میں نے کوئی استعفا نہیں دیا۔ صدر صاحب اکیڈمی سے جس نے بھی ایسا کہا ہے۔ غلط کہا ہے۔ میری وہ تحریر جس کو استعفا کہا جاتا ہے، صدر صاحب بچشم خود ملاحظہ فرمائیں!"

موصوف نے بتایا کہ "ایک معاملے کے سلسلہ میں احتجاج کے طور پر میں نے یہ لکھا تھا کہ اس معاملہ کا منصفانہ

فیصلہ نہ ہوا تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔"

یہ احتجاجی استعفا کس طرح مان لیا گیا۔ جناب والا اصل تحریر کوئی ہو تو ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں!

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ انجمن ترقی اردو راجستھان جس کی ضلعی اور مقامی چالیس شاخیں راجستھان میں پھیلی ہوئی ہیں اردو زبان کی ترقی چاہتی ہے۔ اور راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی بھی اس کے ادب کی حفاظت و ترقی کا اسی طرح ذمہ لیتی ہے جس طرح ہندی، سنسکرت اور راجستھانی کے ادب کا پھر کوئی وجہ نہیں کہ دونوں میں تعاون نہ ہو۔ چنانچہ جس زمانے میں پنڈت صاحب کے ذریعہ تعاون برقرار تھا اس زمانے کی بیشتر اس محولہ ادبی خدمات کو خوف طوالت چھوڑتے ہوئے تین بڑی یادگاریں ناقابل فراموش ہیں۔

۱۔ کل راجستھان اردو سمپوزیم جے پور مع آل انڈیا مشاعرہ
۲۔ کل راجستھان اردو سمپوزیم جے پور مع آل انڈیا مشاعرہ
۳۔ آل انڈیا اردو کانفرنس جے پور مع آل انڈیا مشاعرہ

(جن کی روداد طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے)

اس لئے میری درخواست یہ ہے کہ:

اس تجویز کو ملاحظہ فرمانے کے بعد کہ جس کو پنڈت صاحب کا استعفا باور کرا دیا گیا ہے جو غلط ہے ان کی ممبری بدستور برقرار ہونے سے مطلع فرمایا جائے۔ ورنہ اس فہرست میں سے کسی کو نامزد کیا جائے جو سکتریری پیش کی گئی ہے۔ اس میں بھی پنڈت صاحب کا نام ہے اور اگر وہ یہ نام بھی پسند نہ ہوں تو حسب ذیل پانچ ناموں میں سے کسی کو منتخب فرما لیا جائے۔

(۱) سید احمد علی شاہ صاحب قمر جعفری، آئی۔ اے۔ ایس۔ ریٹائرڈ
(۲) سید عبدالرؤف صاحب ریٹائرڈ ایڈیشنل کلکٹر
(۳) خان محمد عبداللہ خاں صاحب وحید، آر۔ اے۔ ایس۔ ریٹائرڈ
(۴) صاحبزادہ خلیل احمد خاں صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
(۵) نواب محمد عبدالباقی خاں صاحب۔ نگر بادس جے پور

راقم الحروف کو یہ بات باصرار اس لئے عرض کرنے کی جرأت ہوئی کہ اس تعاون سے دونوں ادارے اپنے مقاصد کے مطابق بڑے بڑے کام آسانی سے کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس جمہوری دور میں تعاون و اتحاد کی کس قدر سخت ضرورت ہے۔ جس میں ادبی تعاون کو بھی خاص اہمیت ہے۔ اس لئے جناب والا کو اپنا وعدہ پورا فرمانا چاہئے!

(احترام الدین احمد شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

انجمن ترقی اردو شہر علی گڑھ کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست

علی گڑھ ۲۰ اپریل ایوب ہال مسلم یونیورسٹی میں انجمن کی ایک ادبی نشست زیر صدارت حضرت راز چاندپوری منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے مولانا عبدالشاہد خاں شروانی نے انجمن اور اس کے اغراض و مقاصد کے عنوان پر معلوماتی تقریر فرمائی۔ پھر جناب راز چاندپوری نے سیماب اکبر آبادی پر اپنا مقالہ پڑھا جسے سامعین نے بہت پسند کیا۔ اس کے بعد جناب زاہد رضا خاں کیاب، حافظ عبدالحمید جاذب، ضیاء الدین انصاری، یونس آزاد شوق، شادان، ساجد پرویز، قاضی احمد اللہ صاحب اور جناب راز چاندپوری نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ آخر میں صدر کے شکریہ کے ساتھ جلسہ ختم ہوا۔

(ضیاء الحق عبدالرحیم سکریٹری انجمن ترقی اردو شہر علی گڑھ)

حلقۂ ادب "رانچی" کی طرف سے یوم اقبال

رانچی ۲۰ اپریل ساڑھے چھ بجے شام فلسفی، مفکر، مصلح قوم اور عظیم شاعر علامہ اقبال کی یاد میں آزاد ہائی اسکول کے ہال میں یوم اقبال منایا گیا۔ جلسہ کی صدارت جناب ڈاکٹر زعفران بیگ، پرنسپل انجینئرنگ اسکول نے فرمائی۔ جلسہ کی کارروائی کا آغاز اقبال کی ایک غزل سے ہوا جسے جناب مسعود جامی نے اپنی مترنم آواز میں سامعین کو سنائی۔ پھر ایک اور صاحب نے اقبال کی ایک نظم پڑھی۔ اس کے بعد سکریٹری جناب قمر حمید نے حلقۂ ادب کی سالانہ رپورٹ پڑھی۔ مذاکرہ شروع ہوا مذاکرہ کا عنوان تھا "اقبال میری نظر میں"۔ اس میں حصہ لینے والے رانچی کالج کے تین طلبہ سید حفیظ الحسن، ایس۔ ایچ۔ التمش اور خواجہ نعیم صاحبان تھے۔ طالب علموں نے اقبال کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی فیصلہ میں اوّل انعام کا مستحق سید حفیظ الحسن کو قرار دیا گیا۔ پھر دوسرے معززین حضرات، قاضی ابوالحیات، پروفیسر احمد سجاد، پروفیسر ابوذر عثمانی اور پروفیسر سمیع الحق نے اقبال کے نظریۂ فن، کلام، فلسفہ، شخصیت، سیرت اور کردار پر تقریریں کیں۔ حلقہ کی طرف سے کالج اور اسکول کے طلبہ کے لیے تحریری مقابلہ کا بھی اہتمام تھا۔ کالج کے لیے مقالات کے دو عنوانات "اقبال کے شعری اسالیب" اور "اقبال ایک فلسفی شاعر" پر بالترتیب جناب حبیب اختر (گیا)، اور جناب اختر امام (دربھنگہ) کے مضامین کو اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ "اقبال" پر نظمیں کہی گئیں۔ جن میں جناب ارشد نجمی کی نظم اول آئی اسکول کے طلبہ میں دو انعامات جناب توصیف عالم گیا کو "اقبال کی فطری شاعری" پر اور جناب اختر حسین چھپرا کو "اقبال کی تعلیمات" پر ملے۔

اس کے بعد مشاعرہ کا دور شروع ہوا۔ مشاعرہ میں حصہ لینے والے شعرائے کرام میں جناب صابر بہاری، مجیب الرحمٰن بزمی، قمر حمید، داؤد مضطر، حبیب الرحمٰن واحد، تسنیم جنیدی، حمید اختر، شمس جاوید، ہمدم رانچوی، نذر رانچوی اور جناب پروفیسر سمیع الحق صاحبان کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

(منظر مسعود ناظم نشر و اشاعت)

گلزار خلیل کا رسم اجرار

بیکانیر ۱۹ اپریل بزم خلیل کے زیر اہتمام عظیم الشان پیمانے پر جشن خلیل منایا گیا۔ صدارت کے فرائض عالی جناب این۔ سی۔ دتہ ڈپٹی۔ آئی۔ جی پولیس بیکانیر نے انجام دئے۔ جشن خلیل کا پہلا دور تقاریر اور مقالات پر مشتمل تھا۔ بزم مقالات کے بعد حضرت خلیل عثمانی

ایڈووکیٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو بیکانیر کے مجموعۂ کلام بنام "گلزارِ خلیل" کی رسمِ اجرا عمل میں آئی۔ اور کل راجستھان طرحی مشاعرہ ہوا جس میں مقامی شعراء کے علاوہ راجستھان کے نمائندہ شعرائے کرام نے بھی شرکت فرمائی۔ (ملاپ چند راہی)

انجمن تعمیر اردو کی نشست

دلی۔ گذشتہ ماہ بتاریخ ۱۳؍اپریل ۹۸ء کو شام کے پونے سات بجے، اردو ہال اردو بازار جامع مسجد دلی میں انجمن تعمیر اردو دلی کی حسب معمول ہفتہ وار ادبی نشست منعقد ہوئی، صدارت کے فرائض جناب شمیم کرہانی صاحب نے انجام دئے جس میں امیر آغا، پروفیسر تپش سمنانی، ڈاکٹر تنویر علوی، جناب طالب دہلوی اور حضرت جار دہلوی نے اپنا تازہ کلام سنایا، اس کے بعد جناب پنڈت آنند موہن زتشی صاحب گلزار دہلوی سکریٹری انجمن ہٰذا نے اپنے حالیہ سفر حیدرآباد دکن کے تاثرات اور یادداشتوں سے وابستہ اور وہاں اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں سے متعلق سفرنامے کے مضمون "حریم دکن کی زیارت" اور نظم "آبروئے دکن" کے اقتباسات سنائے۔

اختتام پر صدر جلسہ جناب شمیم کرہانی صاحب نے گلزار صاحب کی شخصیت کی تعریف کی اور صدر جلسہ جناب شمیم کرہانی نے چند رباعیاں اور دو غزلیں سنائیں اور حاضرین و انجمن کا شکریہ ادا کیا۔ (اے ایم زتشی)

ذوق کا مزار کسمپرسی میں

خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے اتالیق اور اردو کے عظیم شاعر شیخ ابراہیم ذوق دہلوی کو دلی سے جو محبت تھی وہ ڈھکی چھپی بات نہیں چنانچہ ان کے اشعار میں اکثر اس کا اظہار ملتا ہے۔

لیکن جس دلی سے اس عظیم شاعر نے اتنی محبت اور وارفتگی کا اظہار کیا اس دلی نے اس سے اتنا ہی بے رحمانہ سلوک کیا اور آج اس عظیم ہستی کے مزار تک کا بھی نشان نہیں ملتا۔ تقسیم ہند نے جہاں متعدد بدنما داغ چھوڑے ہیں وہیں ایک یہ بھی کہ قلعۂ معلّے کے آخری رہنمائے علم و ادب کا مرقد آج پبلک پاخانہ میں بدل دیا گیا ہے۔ چند سال قبل مزار صرف ڈھا دیا گیا تھا لیکن پبلک پاخانہ علاقہ پہاڑ گنج کے ملتانی ڈھانڈہ پوری میں دہلی میونسپل کارپوریشن نے حال ہی میں بنایا ہے۔ اس علاقے میں گائے بھینسیں بندھتی ہیں اور پورے علاقہ میں ڈیریوں کا جال بچھا ہوا ہے جہاں ہر طرف غلاظت کے ڈھیر دیکھنے میں آتے ہیں۔ دہلی کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی اس پر جتنا بھی ماتم کرے کم ہے۔ (انڈین ایکسپریس)

ریاست بہار کے اردو اقلیتی اسکولوں کے فیڈریشن کے قیام کی تجویز

پٹنہ۔ اورینٹل جونیئر اسکول، پتھر کی مسجد پٹنہ ۴ میں ایک جلسہ زیرصدارت محمد سلیمان صاحب منعقد ہوا جس میں اورینٹل جونیئر اسکول، جیک اینڈ جل، ناتھنیل جونیئر اسکول اور اردو مڈل اسکول آرہ کی طرف سے جناب پروفیسر احسان اشرف، جناب علی احمد صاحب، جناب ابرار احمد، ریسرچ افسر، پٹنہ یونیورسٹی اور پروفیسر ابوظفر صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ جین کالج آرہ نے خصوصی طور سے شرکت کی اور متفقہ طور پر ایک ایڈہاک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے کنوینر جناب احسان اشرف صاحب بہ اتفاق رائے منتخب ہوئے اور یہ طے پایا کہ جلد ہی یہ کمیٹی ریاست بہار کے اردو اقلیتی اسکولوں کا ایک نمائندہ جلسہ پٹنہ میں بلائے گی اور ان اردو اسکولوں پر مشتمل ایک فیڈریشن کا قیام عمل میں لائے گی جس کا مقصد اردو کے ان اقلیتی اسکولوں کی بنیادوں کو مستحکم بنانا، ان کی ترقی و توسیع کے ایک تعمیری پروگرام مرتب کرنا اور ابتدائی ثانوی اسکولوں کے درجے تک کے لئے اردو میں درسی کتابوں کی اشاعت کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

باقی صفحہ ۱۲ سے آگے

فریری کام کو اور اہمیت دے دیں تو اس کا اثر ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کی تعلیم پر بھی پڑے گا کیونکہ یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل طلبہ ہی تو ان اسکولوں میں پڑھائیں گے۔ اس کے ساتھ یونیورسٹیوں میں اساتذہ کو تدریس اور اس کی ضروریات پر سب سے زیادہ توجہ کرنی ہوگی، صرف اپنی ترقی کے لیے ریسرچ کرنے اور درس و تدریس کے فرائض میں کوتاہی کرنے کی اجازت نہ ہو۔ استاد کا پہلا کام طالب علم کو زبان سکھانا اور ادب کا ذوق پیدا کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ اپنا علمی و تحقیقی کام بھی کرتا رہے تو وہ بہتر استاد ہوگا، مگر تدریس کی ضروریات کو نظر انداز کر کے صرف اپنے ذاتی ادبی کام میں لگے رہنا، طلبہ کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ پھر تحقیق ہو یا تنقید۔ بغیر زبان و ادب کے خاصے ٹھوس علم کے سطحی اور سرسری ہوگی۔ جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اور ہم عصر ادب کے میلانات کی ترجمانی کے لیے بھی زبان کے سرمائے اور کلاسیکل ادب پر عبور ضروری ہے امید ہے کہ وہ لوگ جو یونیورسٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں اس سلسلے میں جلد ضروری اقدامات کریں گے۔ معیار دں پر اصرار بھی زبان و ادب کی حفاظت کا ایک طریقہ ہے۔

آل احمد سرور

میرا صفحہ

ادھر امتحانات کی کاپیاں دیکھنے اور طلبہ کا زبانی امتحان لینے کے دوران پھر یہ احساس قوی ہو گیا کہ ہماری درس گاہوں میں اردو زبان کی تدریس میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ اس وقت شمالی ہند میں عموماً اور اترپردیش میں خصوصاً صورت یہ ہے کہ ابتدائی منزل پر اردو کی تعلیم کا انتظام بہت ناقص اور ناکافی ہے۔ ثانوی منزل پر بھی بہت سے طلبہ اردو ایک مضمون کی حیثیت سے نہیں پڑھتے اور ثانوی منزل پر یوں بھی تعلیم کا معیار قابل اطمینان نہیں ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں اردو پڑھائی جاتی ہے، زیادہ طلبہ اسے ایک آسان مضمون سمجھ کر لیتے ہیں۔ دلچسپی واقعی کم طلبہ کو ہوتی ہے۔ عربی، فارسی، اردو، ہندی، سنسکرت میں عام طور پر معیار کے معاملے میں خاصی نرمی برتی جاتی ہے۔ پرکھنے کے بجائے پرورش کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ میں خاصی خامیاں رہ جاتی ہیں اور ایم۔ اے تک کے بعض طلبہ صحیح زبان بھی نہیں لکھ سکتے۔ انہیں طلبہ میں سے بعض پی۔ ایچ۔ ڈی کرتے ہیں اور ایک مخصوص موضوع پر محنت کر کے کوئی مقالہ لکھ لیتے ہیں۔ پھر کسی یونیورسٹی میں لیکچرر ہو جاتے ہیں۔ مگر چونکہ زبان کی بنیاد مضبوط نہیں ہے، اور علمی و ادبی نظر نہیں پیدا کر سکے ہیں اس لئے ان کے شاگرد بھی زبان و ادب کا کوئی قابل قدر معیار نہیں رکھتے۔ ان میں سے بعض تخلیقی صلاحیتوں کی بنا پر شعر کہتے ہیں یا افسانے لکھتے ہیں۔ تخلیقی صلاحیت کے باوجود زبان پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے یہ ایک گمراہی کو فروغ دیتے ہیں اور مجموعی طور پر زبان و ادب کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم زبان کے معاملے میں اور سخت ہو جائیں۔ یہ معاملہ صرف زبان کا نہیں ہے۔ ذہن کی تربیت اور تہذیب کے فروغ کا بھی ہے۔

ابتدائی اور ثانوی منزل پر جن اساتذہ کی ضرورت ہوگی، ان کے پاس اردو کی بی اے یا ایم اے کی ڈگری ہوگی۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے لیے تو ایم۔ اے کی اچھی ڈگری لازمی ہے۔ اس لئے گھوم پھر کر بات یونیورسٹی کی منزل پر ایک معیاری نصاب کی ضرورت، تدریس کے ایک جامع پروگرام اور صلاحیت کو پرکھنے کے لیے امتحان کے طریقے میں اصلاح کی آجاتی ہے۔ یونیورسٹیوں میں ہم نہ صرف ایک اچھے معیار پر اصرار کر سکتے ہیں بلکہ معیار کو بلند کرنے کی بھی کوشش کر سکتے ہیں۔

معیاری نصاب کی ضرورت تو محسوس کی جا رہی ہے اور اسی سلسلے میں یونیورسٹی کے اردو اساتذہ کی انجمن نے کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں جن پر عمل کرنے سے یقیناً ہماری تعلیم کا معیار بہتر ہوگا، مگر تدریس کے سلسلے میں ہمیں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ اول تو درس میں نظم یا نثر خوانی کو اہمیت دینی ہوگی۔ طلبہ عام طور پر نظم کو ناموزوں پڑھتے ہیں اور نثر میں اگر کچھ فارسی کے الفاظ آ گئے تو ان کی بھی صحیح قرات نہیں کر سکتے۔ دوسرے اس پر اصرار کرنا ہوگا کہ نقادوں کی رائیں دہرانے کے بجائے وہ مضمون یا نظم کے خیال کو بیان کر سکیں اور زبان و بیان کی خوبیوں پر روشنی ڈال سکیں۔ تیسرے سال کے دوران تحریری کام یعنی اشعار کی تشریح، مضامین کے خلاصے، خصوصیات کلام اور عملی تنقید کے لیے خاصا وقت نکالنا ہوگا۔ اساتذہ کو اس تحریری کام کو غور سے دیکھ کر زبان کی غلطیوں کو درست کرنا ہوگا تاکہ دوبارہ یہ غلطیاں نہ ہوں۔ آج کل ایسے طلبہ بہت ہیں جو الفاظوں، استعاروں، افکاروں لکھتے ہیں، جو خورشید الاسلام کو خورشید السلام لکھتے ہیں جو توجیہ کو توجیح، رجحان کو رجحان، دیدۂ ماتم کو دیدۂ اتم، ہشتم باشان کو کھشتر باشان، مہدی افادی کو مہندی افادی لکھتے ہیں۔ ایسے طلبہ درجنوں مل جائیں گے جو فسانۂ عجائب کا کوئی اقتباس صحیح نہیں پڑھ سکتے مگر رجب علی سرور کے اسلوب بیان پر نقادوں کی رائیں فوراً دہرا دیتے ہیں۔ ایسے طلبہ بے شمار ہیں جنھوں نے اقبال کی نظمیں، میر کی غزلیں، نظیر اکبر آبادی کی نظمیں نہیں پڑھیں یا پڑھی ہیں تو ان کا مطلب نہیں بیان کر سکتے، ہاں ان شعرا پر نقادوں کی رائیں رٹ لی ہیں اور انھیں امتحان کی کاپی پر اگل دیتے ہیں۔ اس لیے بی اے کی منزل پر کتاب خوانی اور تحریری کام کو خاص اہمیت دی جانی چاہیے اور ایم۔ اے کی منزل پر تمام بنیادی کتابوں کے مطالعے پر اصرار کرنا چاہیے۔ امتحان کے طریقے میں یہ اصلاح ضروری ہے کہ جتنے مصنف نصاب میں رکھے گئے ہیں سب کا مطالعہ ہو اور سب پر کچھ نہ کچھ لکھنا پڑے۔ ظاہر ہے کہ سال کے آخر میں تین گھنٹے کے امتحان میں چار یا پانچ سوالوں کے جواب ہی دئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے سال کے دوران تحریری کام کے ذریعہ سے تمام مصنفین سے آشنا کرایا جائے اور امتحان میں صرف عمومی نظر یا ادبی ذوق کی پرکھ ہو جو چار یا پانچ سوالوں سے ہو سکتی ہے۔ ان سب کاموں کے لیے اساتذہ کو موجودہ طریقۂ کار ترک کر کے خود بہت کام کرنا پڑے گا۔ طلبہ کو شروع ہی میں اچھی خاصی ببلوگرافی دینی پڑے گی اور اس میں بھی ان ابواب یا صفحات کی نشاندہی کرنی پڑے گی جو موضوع سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ پھر کچھ بنیادی کتابیں پڑھائی ہوں گی اور پھر تحریری کام کے ذریعہ سے جو امتحان کا ایک جز ہوگا، نصاب کے تمام مصنفین سے متعلق چھوٹے چھوٹے مضمون لکھوانے ہوں گے۔ اس کے ساتھ قواعد کے مبادیات کے علم و عروض سے کچھ واقفیت اور فارسی ادب سے کچھ شناسائی پر اصرار کرنا ہوگا۔ اب شمالی ہند میں طلبہ عام طور پر ہندی جانتے ہیں، مگر فارسی بالکل نہیں جانتے اور انگریزی میں بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اس لیے بی۔ اے اختیاری اور ایم۔ اے کی منزل پر فارسی کا کچھ علم لازمی کر دینا چاہیے اور انگریزی میں بھی ایک اچھے معیار پر اصرار کرنا چاہیے۔ اگر ہم یونیورسٹیوں میں اردو کی تدریس کے معیار کو بہتر بنا لیں اور امتحان کے طریقے میں ضروری اصلاح کر لیں۔ اگر ہم

(باقی صفحہ ۲ کالم ۲ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر نصیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا